خواہش تھی کہ وہ اپنے سوہنے رب کی لکھی ہوئی کتاب بھی پڑھے.. ایک بار اُس نے گجرات کے سائیں کا واں والی سرکار کے دربار سے لائی ہوئی ایک تسبیح اور ایک تعویذ اُس کی اپاہج گود میں رکھتے ہوئے لجاجت سے کہا "صاحباں.. کبھی تسبیح پھیر لیا کر.. اللہ اللہ کر لیا کر دھیے.."

نیم مردہ بازوؤں کو اپنی اُس گود میں سمیٹتی جس میں ایک تسبیح اور ایک تعویذ متروک حالت میں پڑے تھے بے اختیار جنبش میں آتے سر کو سنبھالتی اور اپنے باریک ترچھے ہوئے نازک لبوں سے اور آنکھوں کی سیاہ سحر انگیزی سے مسکراتے ہوئے صاحباں کہنے لگی "پر کیوں؟"

"اُس کا شکر ہم پر واجب ہے.."

"مجھ پر نہیں.."

"صاحباں وہ ہمیں جس حال میں رکھے ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے.."

"اس حال میں بھی؟.. کس چیز کا شکر ادا کروں ماں جی.. اُس نے کل خدائی کو بنایا اور پھر مجھ تک آتے آتے بناوٹ سجاوٹ سب بھول گیا.. بس مٹی کا ایک تھوبا بنا کر اُس پر سر لگا دیا.. مجھے ایک عفریت بنا دیا.. ٹانگیں سکیڑ دیں باز و لٹکا دیے.. میری کمر پر ایک کوہان بنا دیا اور پھر ان میں دن رات کی مسلسل ٹیسیں اور تیز دھار درد کے برچھے چبھو دیے.. تو میں اِن کا اس حال کا شکر ادا کروں.. کیا اس حال میں بھی شکر واجب ہے یا اُس کا انکار واجب ہے.."

وہ بچی اپنی امت کو بیوا کرتی تھی اور اب کنیز فاطمہ بھی [illegible] گئی.. واپس [illegible] کرتی تو [illegible] کرنے لگی..

"صاحباں.. ناشکری نہ بن.."

"دکھی میں بن چکی ماں جی.. اُسے کہو کہ مجھے شکر کا کوئی ایک جواز مہیا کر دے تو میں شکر کر لوں گی"

بخت جہان اپنی ناشکری اولاد کی پکار پر یکلخت چپ ہو گیا تھا..

آنسوؤں سے آلودہ رخساروں پر اُس پکار نے اتنا اثر کیا کہ وہ بھی خشک ہو گئے اور وہ اپنے نمبردار بھائی کو بھول کر اپنے بیج سے پھوٹنے والے ایک سوکھے ٹہنے کے تڑے مڑے ٹنڈ کے لیے آزردہ ہوا جو کہ اُس کی بیٹی تھی..

اُس نے وہ زنگ آلود نعل اتنی دیر سے تھام رکھی تھی اور اُس پر اتنے آنسو بہائے تھے کہ وہ اُس کے بدن کا ایک ایسا حصہ ہو گئی تھی جو الگ نہ ہو سکتا تھا.. بخت جہان نے اس بھیگ چکی نعل کو جہاں سے وہ ظاہر ہوئی تھی وہیں اُس اصطبل کی مٹی میں دبا دیا اور پھر اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے شکستہ ہوتی نانڈ کی بکھرتی ہوئی سرخ اینٹوں کا سہارا لے کر اُٹھا اور پھر صاحباں کی اب.. مکمل طور پر رات میں مزید رات ہوتی اندھی کوٹھڑی میں ٹھوکریں کھاتا داخل ہو گیا "صاحباں پُتر.."

کنیز فاطمہ بھی اُسی کوٹھڑی میں کہیں گھوک سوتی تھی..

"ہاں چاچا.."

وہ اُس تاریکی میں ایک ہیولا بھی نہ تھی.. کہاں نظر آتی تھی تاریکی میں تاریک کہیں تھی..

"پُتر.. تجھے بہت درد ہو رہی ہے؟"

"آہو چاچا" صاحباں کا متحرک دماغ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوا کہ آج میرے اس باپ کو کیا ہوا ہے جس

UrduPhoto.com

نے کبھی پرواہ نہ کی تھی' کوٹھڑی میں جھانکنے سے بھی گریز کرتا تھا اور آج مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ پُتر تجھے بہت درد ہو رہی ہے..

گھپ اندھیرے میں دیکھا تو نہیں جا سکتا پر اگر کوئی دیکھ سکتا تو بخت جہان کی بجھتی نیلی آنکھوں میں سے جھرنوں کی مانند پھوٹنے والے آنسوؤں کو دیکھ لیتا..

''پُتر میں تیرے لیے کیا کروں؟''

''چاچا.. تو برابر کی کوٹھڑی میں گرد سے اٹے گراموفون کی چابی بھر.. ایک نئی سوئی لگا کر اُس پر وہ ریکارڈ رکھ دے.. بدریا برس گئی اُس پار.. اگر تو اس اندھیرے میں وہ تلاش نہ کر سکے تو ''غم دیئے مستقل'' پر سوئی رکھ دے۔ ان کے سننے سے میری دردیں اور ٹیسیں جو مجھے سونے نہیں دیتیں' کم ہو جاتی ہیں' مجھے سکھ ملتا ہے.. میں نے اگر شکر ادا کرنا ہے تو ان گیتوں کا کرنا ہے جو میرے دُکھ کم کرتے ہیں۔ اُس کا کیا کرنا ہے جس نے مجھے یہ دُکھ دیئے اور مستقل دیئے۔''

گاؤں کی تاریکی میں جہاں ابھی بخت جہان کی آہ و زاری کی صدائیں ہر در پر دستک دیتی تھیں اور دیئے بجھاتی تھیں اب وہاں خورشید' مکیش اور حمیدہ بانو کا گایا ہوا گیت ''بدریا برس گئی اُس پار'' نئی دروازوں پر اپنی کوملتا اور مدھر پن کے کومل ہاتھوں سے دستک دیتا تھا کہ اپنے دیئے پھر سے روشن کر لو اور صاحباں کی دردوں اور اذیتوں پر غور کرتا انہیں کم کرتا برداشت کے لائق بناتا تھا.. بدریا برس گئی اُس پار!''

UrduPhoto.com

محلہ مغربی کی مسجد کے صحن میں کنویں کے قریب ایک کچے چبوترے پر کھڑے اُس ڈھنڈ آلود سویر میں ایک مدت سے وہاں کے امام حافظ جی کانوں پر ہتھیلیاں جمائے ایک لرزتی آواز میں اذان دے رہے تھے اور جب وہ حی علی الفلاح پکارتے تو اُن کے ناتواں [illegible] کارہ بائیں آنکھ مزید بھینچ جاتی.....

لاکھ کوشش کے باوجود دل ہی دل میں استغفار کرنے کے باوجود اُن کی توجہ بھٹک رہی تھی.. میں ان بے دین [illegible] جانوں کو کتنی مدت سے فلاح کی جانب بلا رہا ہوں اور ان پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا کیسی ڈھیٹ مٹی کے بنے ہیں۔ [illegible] نماز کے لیے جو دس بارہ لوگ ایک ایک کر کے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اُن میں سے بیشتر کمی کمین' جولاہے' لوہار یا [illegible] ہوتے ہیں [illegible] ایک [illegible] ہو کہ مجھ سے [illegible] اور کیا بندگی درکار ہے' میں اپنے ڈھور ڈنگر چھوڑ کر آ گیا ہوں تو میری جنس کو پلی ہوئی کہ نہیں؟..

یہ جات نہیں' حافظ جی کو بھی اپنا ایک کا ماہی سمجھتے.. نائیوں' میراثیوں یا جولاہوں سے ذرا افضل سمجھتے پر کا ماہی کہتے جن کا کام مسجد کی صفائی ستھرائی کرنا.. اذانیں دینا.. مُردے نہلانا' قبر پر کھڑے ہو کر عرض [illegible] دعائیں کرنا' سقاووں میں پانی بھرنا اور بچوں کو سیپارے پڑھانا [illegible] کے عوض [illegible] شام محلہ مغربی [illegible] ہر جاٹ گھرانے کے باہر کھڑے ہو کر صدا لگاتے تھے کہ بہن جی مولوی جی کی گلی..

تو اُن کی پھیلائی ہوئی چادر میں وہ بہن جی.. کوئی ایسی چوہدرانی جس کے پلے میں سوائے جاٹ ہونے کے تکبر کے اور کچھ نہ ہوتا اُن کے حصے کی گلی.. ایک روٹی اُن کی جھولی میں ڈال دیتی.. اور وہ روٹی.. اور ہر روٹی ایک پگھلے ہوئے لوہے کی مانند اُن کی جھولی جلا ڈالتی.. وہ اتنی تضحیک محسوس کرتے.. اتنی ڈھیر ساری دیسی گندم کی موٹی تنور کی روٹیاں وہ خود تو کھا نہیں سکتے تھے' وہ اُن کی بھینس کے کام آتیں.. گاؤں بھر میں سب سے پلی ہوئی بھینس ہمیشہ مولوی صاحب کی ہوتی تھی کہ وہ روزانہ دیسی گندم کی موٹی روٹیوں کی جگالی کرتی تھی.. بہت سے لوگ صرف ایک روٹی کو ترستے تھے پر مولوی صاحب کی بھینس درجنوں روٹیوں پر منہ مارتی موٹی ہوتی تھی۔ بھینسوں کو بھی مذہب کے فربہ فوائد ہوتے ہیں..

فجر کی اذان اور نماز کے بعد جب حافظ جی ایک بوسیدہ ہو چکی صف پر لیٹے کمر سیدھی کر رہے تھے تو کنیز فاطمہ آ گئی۔ "حافظ جی.. وہ ساری رات کُفر بکتی رہی ہے صاحباں.. آپ نے اُسے قرآن پاک پڑھایا اور کئی بار اپنے من کی موج میں وہ سیپارے کے سیپارے منہ زبانی پڑھتی جاتی ہے پر اب ایک اور عذاب نازل ہو گیا ہے.. وہ میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا

UrduPhoto.com

کہتی ہے اُس ذات کے بارے میں.. آپ سیانے بیانے ہیں آپ ہی اُسے کچھ سمجھائیں.. مہربانی کریں حافظ جی..''

صحن میں پھیلی ہوئی سویر کی سفیدی اُس اندھیری کوٹھڑی میں بھی سرائت کرتی تھی اور وہاں اُس کا من موہنا سُرخ و سفید چہرہ سوہنے نین نقشوں والا جگمگا رہا تھا.. ایسے روشن تھا کہ اُس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی.. بقیہ دھڑ چادر میں روپوش تھا صرف چہرہ ظاہر ہو رہا تھا ایک سورج کی مانند.. حافظ جی ٹھٹک گئے اُس کے سوہنے پن کی تاب نہ لا سکے.. اُنہوں نے سر جھکا کر زیرِ لب دافع بلیات و جنات کے دم درود پڑھے اور آنکھیں بند کر کے سر کو بائیں سے دائیں جانب جنبش کرتے اُس پر.. اُس کے چہرے پر پھونکیں مارنے لگے.. صاحباں کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگی.. اُن کے پاس دین کا جو تھوڑا بہت علم تھا وہ اُس کے حوالے سے اُسے سمجھاتے رہے کہ بھول چوک سے اگر شرک یا کفر کا کوئی کلمہ منہ سے نکل جائے تو صدق دل سے اُس کی معافی مانگنے سے وہ جو معاف کرنے والا ہے معاف کر دیتا ہے..

''حافظ جی.. اُس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا.. کیا یہ سچ ہے؟''

اُنہیں یکدم ایسے سوال کی توقع نہ تھی.. ''ہاں.. یہی سچ ہے۔''

''تو مجھے اُس نے اپنی مرضی سے ایسا بنایا جان بوجھ کر.. تو کیا یہ بھی سچ ہے..''

وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئے اور پھر قدرے توقف کے بعد نرمی سے بولے ''اُس کی مرضی کے سامنے ہم سب بے بس ہیں..''

''تو وہ میرے لیے تو رحیم اور کریم نہ ہوا جو مجھے ایسا بنا دیا.. اُس کی قہاری اور جباری مجھ پر ہی کیوں آزمائی گئی.. میرے باپ بھائی جان پر کیوں نہ آزمائی گئی جس نے کُل خدائی پر زندگی تنگ کر دی تھی.. مجھ پر ہی کیوں حافظ جی..'' اُس کا وہ چہرہ جو ابھی جگمگاتا تھا تاریکی میں ڈوبنے لگا..

حافظ جی اپنی پگڑی کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے [illegible] صاحباں اُن کے ایمان کو بھی متزلزل کر رہی تھی اور چلے گئے..

شائد اُس کے اندر کڑواہٹ کا جو غبار تھا وہ حافظ جی کے اُن آنسوؤں سے قدرے ڈھل گیا جنہیں وہ اپنی پگڑی کے پلو سے پونچھتے اُٹھے تھے.. وہ جانتی تھی کہ دل ہی دل میں وہ بھی اُس کی حالت زار کے شاکی تھے.. یہ آنسو اُسی کا اظہار تھے.. بدن میں اُٹھتی ٹیسیں قدرے مدھم ہو گئیں اور وہ ایک اونگھ میں چلی گئی..

''حیّ الفلاح.... حیّ....''

اُس اونگھ کے اندر اُس نے سوچا کہ حافظ جی نے ابھی تو اذان دی تھی اب دوبارہ کیوں شروع ہو گئے ہیں اور پھر اُس کے حواس ذرا بیدار ہوئے اور اُسے احساس ہوا کہ باہر دوپہر ہو چکی ہے یہ عصر کی اذان تھی.. جو کچھ اُس نے کہا اگرچہ وہ سچ تھا پر کیا اُس کا اظہار ایسے سخت لہجے میں کرنا مناسب تھا.. حلاج کی مانند جو کچھ اُس نے کہا وہ بھی سچ تھا پر کہنا نہیں چاہیے تھا.. اور اس کہہ دینے کے لیے اگر صدق دل سے معافی مانگ لی جائے تو کیا حرج تھا.. اُسے یکدم ایک گیلاہٹ کا احساس

UrduPhoto.com

بھلا اس کی حالت میں نہ تھی کہ فلاح کی جانب آ سکے' اپنی غلاظت میں لتھڑی ہوئی پڑی تھی.. ناک میں آتی بدبو نے اُسے بیحد کی طرح شرمندہ کر دیا اور وہ بہت دیر تک سمٹی ہوئی اپنی گندگی کو سہتی رہی اور جب اُس سے برداشت نہ ہو سکا تو اُس نے اپنی سکت کے مطابق فریاد کی "بے بے.."

کنیز فاطمہ صحن کی دیوار کے سائے میں بخت جہان کے پاؤں کے ناخن ایک کُند قینچی سے کاٹ رہی تھی' اُس کی نظر اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ بھری دھوپ میں بھی اُسے کچھ اندازہ نہ ہو رہا تھا کہ ناخن کہاں ختم ہوتے ہیں اور انگلیوں کا گوشت کہاں سے شروع ہوتا ہے' بس انکل پچو قینچی چلا رہی تھی.. جونہی اُسے صاحباں کی.. "بے بے.." کی فریاد سنائی دی وہ ٹھٹکی اور بخت جہان کی ایک آہ بلند ہوئی.. ناخن کے ساتھ اُس کے انگوٹھے کا تھوڑا سا گوشت بھی قینچی کی زد میں آ گیا تھا..

اندھیری کوٹھڑی کا دروازہ کھلتے ہی اُس نے پکارا "بے بے.. میں فلاح کی جانب نہیں آ سکتی' سر سے پاؤں تک نجس ہوں.. گندی ہو گئی ہوں.."

کنیز فاطمہ نے بانہیں پھیلا کر [illegible] اُسے اٹھانے لگی تو اپنے پاؤں پر ذرا لڑکھڑائی [illegible] پھر سنبھل گئی' اب اُس میں اتنی سکت نہ رہی تھی' وہ اُس سے سنبھلتی نہ تھی.. وہ کوئی کومل نرم و نازک مزاج اور آسانی سے زیر ہونے والی عورت نہ تھی' ایک کٹھور دل پتھر دل والی مردوں سے بھی بھڑ جانے والی عورت تھی کہ جب بخت جہان کے لیے اُس کا دل پگھلا تھا تو اُس نے پل بھر میں لہناں سنگھ کو ترک کر دیا تھا' اپنے بیٹوں سمیت اسی ویہڑے میں دھڑاتی داخل ہو گئی تھی.. وہ تو بخت [illegible] جو پارہ بھڑکتا تھا وہ پانی ہو گیا.. جس شب ویہڑے میں.. آج سے چوبیس برس پہلے ڈلاری بائی.. "چھنے دے فراق والیے.." ایسے گاتی ایسے ناچتی تھی کہ لہناں سنگھ تو کیا کنجوس اروڑوں نے بھی اپنی پوٹلیاں اُس پر لٹا دی تھیں اور وہ کنیز فاطمہ اُس کوٹھڑی میں جواب صاحباں کا دائمی [illegible] تھا اور دکی کرپانوں سے چری جاتی تھی اور جب اُس نے ایک سرسبز گل بہار ہری بھری بیٹی کی بجائے ایک سوکھے سڑے ٹنڈ منڈ [illegible] کو [illegible] تو [illegible] کے بعد وہ اُسے دنیا جہان سے بیزاری ہو گئی.. ایک نامکمل وجود نے کنیز فاطمہ کو مکمل کر دیا.. وہ اُس کی جانب نظر کرتی تو اُس میں سے اُلفت کے جھرنے پھوٹنے لگتے.. اُس کی غلاظت صاف کرتی اُس کے کپڑے نیم جان کچلے ہوئے بدن کو صاف کرتی نہلاتی تو اُسے ذرہ بھر کراہت نہ آتی' بلکہ وہ ایک روحانی راحت کی کیفیت میں چلی جاتی جیسے وہ صاحباں ایک عیسیٰ ہو جسے ابھی ابھی سولی سے اُتارا گیا ہو اور وہ اُس کے بدن کو دھوتی ہو' اُس کے زخموں پر اپنے پیار کی مرہم لگاتی ہو.. اُسے کچھ گھن نہ آتی.. اگر وہ اُس ٹوبھوں بھری پوٹلی کو بخت جہان اور گل جہان سے روپوش رکھتی تھی' محمد جہان کی قبر کھودنے کے الزام میں سب سہتی تھی [illegible] نہ تھی تو وہ محض دونوں بیٹوں کی شادیوں کے لیے یہ سب نہ سہتی تھی' در پردہ صاحباں تھی.. کیا پتہ ڈاکٹر عنائت کی تشخیص درست نہ ہو جس کے مطابق اُسے اگلے چھ برس میں مر جانا تھا اور وہ جیتی رہے' تب زیوروں کی یہ پوٹلی اُس کے کام بھی آئے گی..

وہ اُسے بانہوں میں سمیٹ کر باہر ویہڑے میں لے آئی اور بخت جہان آگاہ تھا کہ وہ کیوں اُسے اٹھائے ہوئے چلی آ رہی ہے تو اُس نے اپنی نظریں جھکا لیں تا کہ وہ اُسے پانی کے نل تلے نہلاتے' پونچھتے نہ دیکھے۔

UrduPhoto.com

نہلا دھلا کر اُس کے کپڑے بدلے تو وہ ایسے نکھر گئی' تر و تازہ اور ستھری ہو گئی کہ اُسے صاحباں کو یقین ہو گیا کہ وہ اُس بھیانک اور درد آمیز خواب سے جاگ گئی ہے جس میں وہ ایک تاریک کوٹھڑی میں لتھڑی پڑی تھی اور اُس کے اعضاء کام نہ کرتے تھے' ہاتھ پاؤں لٹکتے تھے.. درد کے تیر ہر مُو میں گھپتے تھے.. وہ تو ایسے نکھر گئی کہ اپنی ہم عمر سہیلیوں کی مانند کدکڑے مارتی' قلانچیں بھرتی اپنے باپ کی حویلی کا پھاٹک پار کر کے باہر کی اُس دنیا میں سانس لے سکتی تھی جس میں اُس نے کبھی سانس نہ لیا تھا۔

''صاحباں.. لے چلوں..''

''بے بے.. مجھے شیشہ تو دکھا دے.. میں اپنے آپ کو دیکھوں تو سہی..''

کنیز فاطمہ نے اچنبھے سے اپنی بیٹی کو آنکھوں میں پھوٹتے لاڈ پیار کے جھرنوں سے دیکھا' اُس نے ایسی فرمائش پہلے تو کبھی نہ کی تھی.. بہت کھوج کے بعد ایک دراڑوں سے شکستہ آئینہ ملا جسے سامنے رکھ کر وہ اپنے بالوں میں خضاب لگاتی تھی.. انگوٹھے اور چاروں اُنگلیوں کی گرفت میں [illegible] کو اُس نے صاحباں کے سامنے کر دیا..

اُس شکستہ آئینے میں جو اُس کی ماں کے ہاتھ میں لرز رہا تھا صاحباں نے اُس زندگی میں پہلی بار اپنی شکل دیکھی.. جو اُس نے دیکھا اُس پر اُسے اعتبار نہ آیا.. اُسے اپنے اس چہرے کو پہلے دیکھ لینا چاہیے تھا کہ ایسے چہرے تلے اگر ایک کپڑا ہوا کپڑا بدن ہو تو بھی یہ جینا اس قابل تھا کہ جیا جا سکے.. وہ جمال ہیر کی تصویر تھی.. اُس کے ماتھے پر حُسن کا ماہتاب چمکتا [illegible] لاہور کی تھیں جن کے حُسن کا [illegible] حساب نہ تھا.. چہرے سوہنے پر خدوخال ایسے جچتے تھے جیسے خوش خط حرف کتاب کا ہو.

پر اُس چہرے تلے ہیر نہ تھی ایک عفریت تھی اُس کا بیان کیا کرنا..

کنیز فاطمہ کی [illegible] اُس آئینے کو تھامے ہوئے ساکت رکھنے کی کوشش میں ہارنے لگیں پر صاحباں اپنے آپ کو دیکھتی تھکتی نہ تھی.. دیکھے چلی جا رہی تھی اور مسکراتی چلی جا رہی تھی.. اُس کی مسکراہٹ میں بھی ایک تیز حاپن تھا.. قدرے متکبر جیسا کہ بخت جہان کی گردن میں تھا' مسکراہٹ کونوں میں سے ماس کھینچتی تھی..

وہ اُس شہزادے کی مانند تھی جس کے محل میں تمام آئینے توڑ دیے گئے تھے تاکہ وہ اپنی شکل نہ دیکھ سکے اور جب وہ ایک گھنے جنگل میں پوشیدہ ایک تالاب کے پانیوں پر جھکتا ہے اور زندگی میں پہلی بار اپنی شکل کا عکس دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اپنی شکل سے نظریں نہیں ہٹاتا اور بالآخر جان دے دیتا ہے۔

''اب چلیں صاحباں..'' اُس نے آئینہ پرے کیا تو صاحباں کی آنکھوں کے آگے نصیب کا اندھیرا چھا گیا۔

''ہاں بے بے..''

کنیز فاطمہ نے بمشکل اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹا اور کوٹھڑی کی جانب پہلا قدم اُٹھایا تو صاحباں نے بھی بمشکل اپنا سوکھا ہوا بازو اُٹھا کر اُس کے رخساروں پر رکھ دیا ''بے بے مجھے اُس اندھے کنویں میں ابھی نہ لے جا.. اُس چوکھٹ کے پار لے جا.. جس کے پار میں آج تک نہیں گئی.. جیسے میں نے آج حیاتی میں پہلی بار اپنے آپ کو دیکھا ہے ایسے میں اُس جہان کو بھی دیکھنا چاہتی ہوں جو اس چوکھٹ کے پار ہے..''

UrduPhoto.com

”آج کیسی کیسی آرزوئیں کر رہی ہے اور کیوں کر رہی ہے۔“ ”پُتر.. باہر جا کر کیا کرنا ہے.. وہاں ذات برادری کے لوگ ہیں گے.. اُن کے لیے تم اب تک ایک واہمہ ہو وہ حقیقت کو دیکھیں گے تو ایک مسرت بھرے صدمے میں چلے جائیں گے.. تم پر ترس کھائیں گے اور وہ مجھے قبول نہیں..“

”نہیں نہیں ہے ہے..“ وہ منت کرتی بھی کیسی پیاری اور معصوم لگ رہی تھی۔ ”اس سے.. عصر کی اذان کے بعد لوگیاں سونی ہو جاتی ہیں.. کوئی ایک مرد بھی محلہ مغربی میں نہیں ہوتا سب کے سب اپنے کنوؤں اور کھیتوں میں جُتے ہوتے ہیں.. اُن کی عورتیں گھریلو کاموں میں رُجھی ہوتی ہیں' کوئی نہیں ہوگا.. اور اگر کوئی ہوا بھی تو بخت جہان کی بیٹی کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت کر سکے گا.. مجھے لے چل..“ کنیز فاطمہ اُس چارپائی کو کھینچتی گھسیٹتی ہوئی چوکھٹ کے پار گلی میں لے گئی جس پر صاحباں ڈھیر تھی..

اور وہاں گلی میں بھری دوپہر کا ایک سنسان سناٹا راج کرتا تھا.. دور دور تک کوئی بندہ بشر نہ تھا' نہ آدم نہ آدم زاد..

”ہے ہے..“ اُس نے اُس نے نوبیلے جہان میں ایک طویل سانس لی کہ ایسی ہوا اُس کے پھیپھڑوں میں کبھی نہ اُتری تھی۔ ”تم بنا شک چاچے کے پاؤں کے ناخن کا نو.. وہ تمہارا منتظر ہے۔“

”تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں؟“

”ہاں ہے ہے..“

”تم [illegible] کہیں [illegible]“

”ہے ہے..“ اُس نے اپنا ماہتاب چہرہ کنیز فاطمہ کے رخساروں کے ساتھ لگا دیا۔ ”میں کہیں آنے جانے جوگی ہوں.. ایک قبر سے اٹھتی ہو کہ کہیں جانا نہیں.. مجھے کچھ سانس لے لینے دو.. مجھے کچھ نہیں ہوگا تسلی رکھو۔“

وہ فکر مند ہوتی اُسے وہاں چھوڑ کر چوکھٹ کے پار اُس صحن میں چلی گئی جہاں اُس کا خاوند ابھی تک ناخن کے ساتھ اُس ماس کے کٹ جانے پر کراہ رہا تھا۔

باہر تو بھری دوپہر میں بہار آئی ہوئی تھی.. کیسے رنگا رنگ انوکھے پھول کھلے ہوئے تھے اور وہ ایک تاریک کوٹھڑی میں پڑی.. نابینا اور بے مہک پڑی تھی.. اُس نے ایک اور اگرچہ مسمار ہوتے پھیپھڑوں میں سے کھینچ کر سانس لیا تو اُس میں کیسی کیسی سحر انگیز مہکیں تھیں.. اُس کے مرجھائے ہوئے ہونٹ ذرا سکڑ سکڑ کر ایک مسکراہٹ میں پھیلنے لگے.. یہ اُس کی حیات کا سب سے بخت آور دن تھا.. اُس نے پہلی بار اپنے آپ کو دیکھا تھا اور اس جہان کو محسوس کیا تھا جو چوکھٹ کے پار تھا..

دوپہر کے رُکے ہوئے سناٹے میں محلہ مغربی کے گھروں کی کچی دیواریں دم بخود کھڑی تھیں اور اُن سے پرے مسجد کے میناروں کے پچی کاری اور شیشوں کے ملتانی کام سے آراستہ گنبد دھوپ کی زد میں آ کر لشکارے مارتے تھے.. گنبدوں کے اوپر دھات کی بنی ہوئی جھنجھریاں نصب تھیں جو ذرا سی ہوا کے چلتے ہی گھومنے لگتی تھیں.. وہ تنگ گلی جو مسجد کی چوکھٹ تک چلی گئی تھی اُس کے درمیان میں ایک کچی نالی جو سیاہ کیچڑ سے بھری پڑی تھی اور اُس کیچڑ پر سے گندا پانی اٹک

UrduPhoto.com

اٹک کر کبھی بہنے بھی لگتا تھا اُس کے گرد چھ سات بطخیں کیچڑ میں کیڑوں مکوڑوں کی تلاش میں چونچیں مارتی قیں قیں کرتی اُس رُکے ہوئے سناٹے کو توڑتی تھیں.. وہ اپنی چونچوں میں کیچڑ بھر کر گردنیں آسمان کی جانب کرتیں اور پھر چونچوں کے دونوں جانب کے سوراخوں میں سے وہ کیچڑ بہہ جاتا اور اُس میں جو کیڑے مکوڑے پرورش پاتے تھے وہ اُن کی گردنوں کے راستے پیٹ میں اُتر جاتے تھے..

یہ اُس کی زندگی کی پہلی زندہ بطخیں تھیں..

وہ اُن بطخوں سے کتنی مختلف تھیں جن کی تصویریں اُس نے قاعدوں اور کہانیوں کی کتابوں میں دیکھی تھیں.. اور کیا وہ تمام پرندے اور جانور بھی اتنے ہی مختلف ہوں گے جنہیں وہ محض تصویروں کے توسط سے پہچانتی تھی.. کبھی کبھار جب سرِشام مویشی گھروں کو لوٹتے تھے تو اُس نے صحن میں پڑے اُن کی ایک جھلک دیکھی تھی.. بھینسوں کی تصویریں سچ مچ کی بھینسوں سے کہیں بہتر تھیں.. پر یہ بطخیں جو پَر پھڑپھڑاتی گندی نالی میں چونچیں ڈالے غل کرتی تھیں یہ تو ایک عجوبہ تھیں.. ان کی آنکھیں سیاہ موتیوں ایسی تھیں جو اُن کی سفیدی میں جڑے ہوئے تھے.. تو پھر اُن سارے پرندوں اور جانوروں کو دیکھنا.. اپنی آنکھوں سے.. زندہ دیکھنا کیسا ہوگا جنہیں وہ تصویروں میں دیکھتی آئی تھی.. پر اُن سب کو دیکھنے کے لیے تو دنیا کو دیکھنا ہوگا.. اور دنیا کو دیکھنے کے لیے ایک متحرک اور صحت مند بدن درکار ہوتا ہے.. صرف اُس کا چہرہ جس کے اندر ایک متحرک دماغ تھا اپنے ناکارہ اور نیم مُردہ بدن کو ترک کر کے اُس دنیا میں تو نہیں جا سکتا تھا.. وہ سب کے سب پرندے اُن [illegible]

UrduPhoto.com

وہ اس امر سے آگاہ ہو چکی تھی کہ اُس جیسے بدن والے لوگوں کی حیات مختصر ہوتی ہے.. وہ زیادہ دیر نہیں جیتے.. اور اس کے باوجود قدرت اُنہیں اتنی سی سہولت بھی عطا نہیں کرتا کہ وہ مرنے سے پہلے سارے پرندے اور جانور اپنی آنکھوں سے زندہ حالت میں دیکھ لیں.. وہ قادر تو ہے مگر عادل نہیں ہے.. بابو درزن کے کچے کوٹھے کے ویہڑے میں سے اُپلوں کا سلگتا ہوا دھواں سفید ہو کر دوپہر کی دھوپ میں اُٹھتا تھا.

وہ جو ابھی جینے کی تمنائی ہو رہی تھی محض چند بطخیں دیکھ کر مرنے کی آرزو کرنے لگی کہ ایسی بے کار بے حس اور بے حرکت حیات کس کام کی جس میں دنیا نہ دیکھی جائے اور اُس کے آسمانوں پر اُڑتے اور جنگلوں میں کوکتے اور جھاڑیوں میں پھدکتے اور تالابوں میں تیرتے پنکھ پکھیرو.. نہ دیکھے جا سکیں۔

اگرچہ وہاں ایک رُکا ہوا سنسان سناٹا تھا.. کوئی بندہ بشر نہ تھا صرف چند بطخیں تھیں پر وہاں اچھو شیخ تھا..

وہ اُس دوپہر بھی کوڑے کرکٹ کی گندگی کی ڈھیر پر اطمینان سے براجمان کانچ کے ایک نوکیلے تیز دھار ٹکڑے کو نہایت دل جمعی اور دھیان سے اپنی گردن پر جہاں شہ رگ اُبھرتی ہے وہاں پھیر رہا تھا اور اُس پر تازہ خون کی بوندیں گرتی تھیں۔

صاحباں نے جب اُن بطخوں کے سحر سے اپنی نگاہوں کو آزاد کیا اور اُدھر شیخوں کے محلے کی جانب نظر کی تو وہاں بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا اچھو شیخ تھا جو ہولے ہولے اپنی گردن کو کانچ کے ایک ٹکڑے سے کاٹنے کے پُرمسرت مشغلے میں مشغول تھا..

صاحباں کی نظر اُس پر گئی تو وہیں ٹھہری رہی۔ اُس کی ماں محلہ مغربی کے ہر مکین کے بارے میں اُسے نہایت تفصیل سے بتاتی رہتی تھی اور اُن میں اچھو شیخ کا کردار بھی تھا جو ہمہ وقت خودکشی پر آمادہ رہتا تھا' کوڑے کے ڈھیروں میں سے شیشے کے ٹکڑے تلاش کر کے انہیں اپنی گردن پر تب تک پھیرتا رہتا تھا جب تک کہ اُس میں سے نکلنے والے خون کی زیادتی سے یا تو وہ بے ہوش ہو جاتا اور یا پھر اُس کی ماں دوہائی دیتی ہوئی اُسے اپنے کلیجے سے لگا کر واپس گھر لے جاتی۔

بخوں کے بعد وہ پہلا ذی رُوح تھا جسے وہ سچ مچ دیکھ رہی تھی' اُس کے چہرے کا نکھار جو اُس کے نہلائے جانے پر ظاہر ہوا تھا اچھو شیخ کو یوں مشغول دیکھ کر مر جھانے لگا... شائد اُسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ سارے کے سارے پرندے اور جانور اُن دیکھے رہ جاتے ہیں اس لیے اس بے کار حیات کا کیا فائدہ.. کیوں نہ اسے کانچ کے ایک ٹکڑے سے کھرچ کھرچ کر خون آلود کر دیا جائے اور اس سے نجات حاصل کر لی جائے..

اچھو شیخ اُس کی جانب کب دیکھتا تھا وہ تو اپنے فرض کی ادائیگی میں مگن اپنے لہو کی بوندوں کو دیکھ کر پُر مسرت ہوتا تھا۔

پر جب وہ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے کی خاطر.. ذرا دم لینے کے لیے رُکا تو اُس بخت جہان کی چوکھٹ کے آگے گلی میں پڑی چارپائی پر صاحباں نظر آ گئی جو ٹکٹکی باندھے اُس کی جانب دیکھے چلی جا رہی تھی..

''بھراجی..'' صاحباں نے اُسے پکارا..

''جی..''

اُسے آج تک کسی نے اتنی قربت سے ''بھراجی'' کہہ کر مخاطب نہ کیا تھا.. بے شک اُس کے دماغ کو اذیت اور دل کے سندیسے پہنچانے والی شریانیں مُردہ ہو چکی تھیں پر وہاں کوئی ایک شریان ایسی تھی جو محبت کے اشارے وصول کر سکتی تھی۔

''جی بہن جی..''

''میں بخت جہان کی بیٹی ہوں صاحباں.. پہلی بار چوکھٹ سے باہر آئی ہوں.. میں اس قابل نہیں ہوں کہ ترے پاس آ سکوں.. تم آ جاؤ بھراجی..''

اچھو شیخ اُس کاٹھ کباڑ کے ڈھیر سے اُٹھ کر خون آلود کانچ کا ٹکڑا سینے سے لگائے اُس کے قریب آ گیا۔ ''جی بہن جی..'' اُس کی گردن کے گھاؤ سے خون رستا تھا۔

''بھراجی.. تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

''میں..'' اُس کے ہونٹوں کے کناروں سے رال بہنے لگی ''کیا ایسا کیوں کرتا ہوں''

''کانچ کے ٹکڑے سے اپنا گلا کاٹتے ہو تمہیں درد نہیں ہوتی؟''

''درد؟ وہ کیا ہے؟''

''جو مجھے مسلسل دن رات اُس اندھے کنویں میں ہوتا ہے۔''

ابھی تک پورے محلہ مغربی میں دوپہر کی ویرانی تھی.. بابو درزن کے ویہڑے میں سے اُٹھنے والے دھوئیں کے سوا

UrduPhoto.com

زندگی کے کچھ آثار نہ تھے۔

اچھو شیخ بہت پچھتایا کہ میں اپنی محفوظ آماجگاہ اُس کوڑے کرکٹ کے ڈھیر ایک روہڑی سے اُٹھ کر یہاں کیوں آ گیا اور تب صاحباں نے اُس سے ایک سوال کیا ایک درخواست گزاری۔ ''بھراجی۔ میرا ایک کام کردو۔ اگر میں نے اس جہان کے سارے پنکھ پکھیرو اور جانور نہیں دیکھنے تو میرا ایک کام کردو۔'' اُس کا ماہتاب چہرہ اور سوہنی ہیر شکل مرجھا رہی تھی ''میرے قریب آ جاؤ اور یہ سمجھو کہ میری گردن تمہاری ہے اور تم اس پر اپنا خون آلود کانچ کا ٹکڑا تب تک پھیرتے رہو جب تک کہ میرا ذہن میرے بقیہ دھڑ کی مانند مردہ نہیں ہو جاتا۔''

''نہیں۔'' وہ یکدم ذرا تشدد پسند ہو گیا ''گردن اپنی اپنی۔'' اور اُس نے وہ خون آلود کانچ کا ٹکڑا صاحباں کے سپرد کر دیا۔ ''میں روہڑی میں سے کوئی اور شیشے کا ٹکڑا تلاش کر لوں گا۔'' اور سر ہلاتا کچھ گنگناتا واپس چلا گیا۔

ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے کی تیکھی نوکیں بھی خون سے بھری تھیں۔ صاحباں نے اُسے بمشکل اپنی بے جان انگلیوں میں تھاما۔ ابھی یہ اُس کی حیات کا سب سے بہت اور دن تھا۔ اُس نے پہلی بار ایک شکستہ آئینے میں اپنا روپ دیکھا تھا۔ چوکھٹ کے باہر کے جہان میں سانس لیا تھا اور بطخیں دیکھی تھیں جو زندہ تھیں اور ابھی۔ نادیدہ پرندوں اور ان دیکھے جانوروں کا دکھ اُسے بدبخت کرتا اس حیات کو اپنے ہاتھوں سے فنا کر دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

اُس نے گردن سیدھی کر کے اُس شیشے کے ٹکڑے کو رگ جاں کے قریب لا کر ذرا سا رگڑا۔ تو جونہی ماس میں سے پہلی خراش [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کے اندر۔ بخت جہان کے پاؤں کے ناخن کترتی کنیز فاطمہ جو ہمہ وقت چوکھٹ کے پار پڑی اپنی بیٹی کے دھیان میں [illegible] ایک کر باہر آ گئی۔

''بے بے۔ [illegible] اپنے نیم مردہ بازوؤں کو بلند کرنے کی ناکام سعی کر رہی تھی [illegible] اپنی گردن خود سے نہیں کاٹ سکتی۔ بہت درد ہوتی ہے۔ تو میری مدد [illegible] گردن پر پھیر دے۔ وہ بے شک قادر ہو گا پر اُس نے عدل نہیں کیا۔ پرندے سب کے سب اَن دیکھے رہ جائیں گے اور جانور سارے تصویروں میں قید ہو جائیں گے۔ میں اُن کو نہ دیکھ سکوں گی۔ مجھے مار ڈال۔ مائے!''

غم دیئے مستقل۔ اتنا نازک ہے دل۔ یہ نہ جانا۔

UrduPhoto.com

صحن سُونا ہو چکا تھا..

اُس کی درجنوں چہیتی، سوہنی سہانی اور من موہنی مرغیوں کے بعد وہ بانکا چھبیلا صاحب بہادر بھی رخصت ہو چکا تھا۔ اُسے تو وہ خود رخصت کر کے آئی تھی۔ چاچے بخت جہان کی ڈولی ڈولی میں ڈال آئی تھی.. وہ میرے پردھریک کے زرد پتوں کا سرسراتا فرش بچھا تھا اور وہ کسی شان سے اُس میں کھڑا اپنی گردن ڈھلکنے نہ دیتا تھا..

آپاں ماہلو بھی جب آج سے پینتیس برس پیشتر ڈولی میں رخصت ہوئی تھی تو صاحب بہادر کی طرح مرنے کے لیے ہی رخصت ہوئی تھی.. اس چوکھٹ پر سے اُس کا جنازہ گزرا تھا..

دھر [illegible] مانند گراتا تھا [illegible] ایک عرصے کے بعد آپاں ماہلو کی شکل تھی جو لگن میں کھیلتی ہوئی جب اپنی سہیلیوں سے چھپتی مٹی کے [illegible] میں روپوش ہو جاتی تھی تو وہ مٹی اُس کی شکل کے سوہنے پن کے نور سے جگمگانے لگتی تھی اور وہ کھو جاتی تھی..

چاچے بخت جہان کے پیڑے کی جانب سے ابھی ابھی ایک دل خراش چیخ سنائی دی تھی جو اُس کی کچلے ہوئے [illegible] اپاہج بیٹی صاحباں کی تھی۔ اگرچہ [illegible] آج تک اُسے دیکھا نہ تھا.. اور جن چند لوگوں نے اُسے دیکھا تھا اُن کا کہنا تھا کہ اُس کا چہرہ ماہلو کے حُسن والا تھا.. اور ماہلو کبھی زندہ نہیں رہتی اُس کی آسمانوں سے چھوتی ہوئی پینگ کی رسّی پورے جوبن میں چیخ جاتی ہے..

آپاں ماہلو اُس کی یادوں کے صحن میں جھانجھریں چھنکاتی چلی آئی..

ساون بھادوں کا دم روکنے والا حبس ساکت تھا.. گاؤں پر معلق، ٹھہرا ہوا تھا، ہر شے.. کیا جاندار کیا بے جان سے ہم ہولی جاتی تھی.. انسان کیا حیوان کیا منہ کھولے ہانپتے تھے..

کروندا یا سانپ بھی سنگریزوں والے ویرانے میں جس کا مارا زبان سرسراتا بل سے باہر اپنا نکونا سر زمین پر [illegible] ہوا ہو رہا تھا.. اور وہ ایک نیولا جو کروندے کی جان کا بیری تھا اُس کا سر دانتوں میں دبوچ کر اُسے کچل دینے کی [illegible] ایک عرصے سے رکھتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ کروندا یا دو چار قدم کے فاصلے پر اپنے بل سے باہر سر رکھے بے جان پڑا ہے پھر بھی اُس کی جانب نہیں بڑھتا تھا کہ اُس کی ٹانگوں میں سے بھی جان جیسے کھینچ لی گئی ہو.. حبس نے اُسے بھی بے حال کر

UrduPhoto.com

رکھا تھا.. جوہڑ کی تہہ میں پوشیدہ کچھوے اپنے چپو نما پیر چلاتے کیچڑ سے پانیوں کو گدلا کرتے سطح آب میں سے اپنی گردنیں نکال کر اپنا منہ کھول دیتے اور وہاں بھی اُن کے لیے ہوا کا ایک سانس نہ ہوتا اور وہ پھر سے چپو چلاتے تہہ میں اُتر کر کیچڑ میں روپوش ہو کر ہانپنے لگتے..

چھپکلیاں شہتیروں اور کچی دیواروں کے ساتھ چپٹی اپنے آپ کو اندھا ہو جانے سے بمشکل بچاتی تھیں..

مینڈکوں کی آنکھیں جوہڑ کی سطح پر ساکت پڑی تھیں..

نواری چارپائی پر کروٹیں بدلتی اُس کی واکل کی قمیض بدن میں سے پھوٹنے والے پسینے میں بھیگی ہوئی ایک درزی کی مانند اُس کے نشیب و فراز کا ناپ لیتی تھی اور اُس کا بھی دھڑکتا تھا..

چارپائی کی سفید نوار بھی اُس کے پسینے سے نچڑنے کو آتی تھی..

یہ وہی دن تھے جن کے بارے میں کہاوت ہے کہ ان دنوں میں جس کے مارے جاٹ بھی فقیر ہو جاتا ہے...

کیوں ہو جاتا ہے یہ تو صرف وہی جانتے ہیں جو ان موسموں میں کسی کے کھیت میں گم ہو کر اُس کی گوڈی کرتے ہوں..

''بے بے..'' ماہلو نے واکل کی نچڑتی ہوئی قمیض کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پسینے میں بھیگی کومل چھاتیوں کو پونچھا اور صدا دی ''میرا سانس بند ہونے لگا ہے.. میں خورشیداں لوہاری کے ساتھ باغ میں پینگ جھولنے کے لیے چلی جاؤں؟''

''نہیں..'' پیار کے کچے فرش پر بے سدھ پڑی بہشت بی بی غصے سے اپنے آپ کو تیزی سے جھلتی تھی پر مجال ہے کہ ہوا کا کوئی بھی شائبہ اُس کے پسینہ آلود چہرے کو چھوتا ہو..

بے بے پہلے تو ایسی نہ تھی.. کبھی انکار نہ کرتی تھی.. پچھلے دو تین ماہ سے کچھ زیادہ ہی ڈاہڈی اور سخت گیر ہو گئی تھی.. چوکھٹ کے پار قدم دھرتی ہوں تو ڈانٹ دیتی ہے کہ ماہلو پاؤں اٹھا کر اندر کر لے ورنہ اسے کاٹ دوں گی.. نہ سہیلیوں کے ساتھ لُکن میٹی کھیلنے دیتی ہے اور نہ ہی جھولا جھولنے کی اجازت دیتی ہے.. تو کیوں اتنی سخت گیر ہو گئی ہے..

بہشت بی بی کے پاس ان پابندیوں کا مناسب جواز تھا..

تین ماہ پیشتر ماہلو کو کپڑے آ گئے تھے.. وہ تب سے دن رات اُس کی حفاظت کرتی اُس پر نظر رکھتی تھی..

''بے بے..'' اُس نے پھر فریاد کی.. ''مجھے سانس نہیں آ رہا..''

پر اُس حبس آلود دوپہر میں بہشت بی بی پسیج گئی.. نرم پڑ گئی.. ایسی دم روکنے والی دوپہر میں یہ امکان ہی نہ تھا کہ کوئی اُس کی بیٹی پر نظر ڈالے.. کسی کا سانس چلتا ہو گا تو وہ نظر ڈالے گا ''چل دفع ہو جا.. پر خورشیداں لوہاری کے بغیر وارے میں پینگ جھلانے کے لیے نہ جانا..''

ماہلو ایک جال میں پھنسی ہوئی ہرنی کی مانند کدکڑا مار کر اپنی بھیگی ہوئی نوار کی چارپائی سے اُٹھی' پاؤں میں جوتیاں اُڑسیں اور دھم سے پیار میں وارد ہو کر بہشت بی بی کے سامنے آ کھڑی ہوئی ''سچ مچ بے بے..''

''دفع ہو..''

UrduPhoto.com

صحن میں دھریک کا نوجوان بوٹا بھی دم سادھے کھڑا تھا...

چوکھٹ پار کرتے ہوئے اُسے اُس کے اندر سے شیشم کے پتوں کی تالیوں کی مدھم سی آواز آئی..

باہر گلی اتنی ویران تھی کہ نالی کے کیچڑ کو چونچوں میں بھر کر اُس میں سے کیڑے مکوڑے کشید کرنے والی بطخیں بھی [illegible]

شوکی لوہار کی کوٹھڑی کے باہر کھڑے ہو کر ماہلو نے خورشیداں کو کُرشیداں کہہ کر متعدد بار پکارا تو اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ ضمم کھانی جانے کہاں مرگئی ہے.. کچھ دیر بعد شوکی لوہار آنکھیں ملتا باہر آیا اور ماہلو کو اُس ویران گلی میں اپنی [illegible] میں بھیگی ہوئی دیکھ کر چونکہ وہ ساری کی ساری ظاہر ہو رہی تھی' ششدر رہ گیا۔ اور پھر اُس نے اپنے آپ کو بہت [illegible] کیا کہ یہ تمہاری بیٹی کے برابر ہے کچھ حیا کرو.. وہ نظریں نیچی کر کے بولا" کُرشیداں تو اپنے مامے کے ساتھ چلی گئی ہے [illegible] آج شام آجائے گی.."

بے شک ماہلو نے بے [illegible] میں نہیں جائے گی پر اگر کُرشیداں اپنے [illegible] کے پاس چلی گئی تھی تو [illegible] اُس کا تو کچھ قصور نہ تھا۔

جانوروں کے باڑے یا چوپال کے صحن میں شیشم کے بلند اور گھنے شجر کی ٹہنیوں سے بندھا [illegible] بھی جس کا مارا ہوا [illegible] ساکت تھا جیسے اُس کی رسی پٹ سن سے گندھی ہوئی نہ ہو پتھر کی ہو..

UrduPhoto.com

[illegible] سمٹا کر اپنی تھکی ہوئی پشت کو [illegible] کے چوبی تختے پر جما کر ہولے ہولے اسے جھلا رہی..

[illegible] کے کنارے پر جو جوہڑ اُس سلگتی گرمی اور حبس میں بمشکل سانس لیتا تھا اور جس کی [illegible] آب پر متعدد [illegible] کی نیم مردہ آنکھیں تیرتی تھیں اور اُس کے پار جو قبرستان تھا جس میں ماہلو کے آباؤ اجداد کی قبریں تھیں تو وہ کیسے [illegible] تھی کہ اُن کے برابر میں اُس کی [illegible] ہوگی اور [illegible] بہتے ہوئے بدن کے زور سے جھولتی شیشم کے شجر کے سب سے بلند آسمان کی قربت میں جس میں تھے ہوئے پتوں کو اپنی ناک سے چھونے لگی۔

اُس کے بدن میں سے چمکتے پسینے کے قطرے مٹی پر جہاں جہاں گرتے وہاں سے پھل جھڑیاں اور انار پھوٹنے لگتے۔

کوٹ مراد کا چوہدری امام بخش اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ مراد بخش اُس کا دادا تھا جس نے ایک ویرانے میں [illegible] کا خون پسینہ بہا کر اُسے آباد کر لیا تھا اور اُس کے ڈیرے کے گرد وہ بستی وجود میں آئی جسے کوٹ مراد پکارا جاتا تھا۔ امام بخش اُس کا اکلوتا پوتا ساری زمینوں کا تنہا وارث تھا.. وہ ابھی سولہ برس کا نہ ہوا تھا جب اُس کی ماں نے اپنی سگی بھتیجی [illegible] بی بی کے ساتھ اُسے بیاہ دیا تھا تاکہ ان زمینوں میں اُس کے میکے والے بھی شریک ہو جائیں.. وہ اُس کی ماں کی سگی بھتیجی اُس سے پورے سات برس بڑی تھی' صورت شکل میں بھی ایسی تھی کہ امام بخش کے برابر میں بجتی نہ تھی کہ وہ ایک بھیلا گھرے پکے رنگ کا دراز قامت والا ایسا جوان تھا جس کی مونچھیں اتنی بھوری تھیں کہ سنہری دکھائی پڑتی تھیں' اُس کی

مسکراہٹ میں کوئی ایسا سحر تھا کہ وہ جس کی جانب دیکھ کر مسکرا دیتا وہ اُس کا اسیر ہو جاتا.. وہ ایک انتہائی شریف النفس' صابر شاکر اور مطیع شخص تھا. حیات بی بی کے ساتھ بخوشی گزارہ کرتا رہا..

حیات بی بی اُسے اپنے تین بچوں سے بڑھ کر چاہتی تھی اور اُس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی اُس کے آگے پیچھے پھرتی تھی..

اُس روز چوہدری امام بخش تحصیل ہیڈ کوارٹر میں ایک تاریخ بھگت کر کوٹ مراد واپس جا رہا تھا اور اُس کی گھوڑی کے آگے پیچھے دو میراثی اور تین جولاہے چلتے تھے اور حبس اتنا تھا کہ وہ پسینے کی وجہ سے بار بار کاٹھی پر سے پھسلتا تھا اور گھوڑی کے نتھنے سانس کھینچنے کی سعی میں پھول کر ٹپا ہو رہے تھے اور وہ بار بار ٹھوکریں کھاتی تھی.. وہ راستے میں پڑتے دنیا پور کے اندر نہیں گئے بلکہ اُس سے پرے جوہڑ کے کناروں پر سے ہوتے ہوئے کوٹ مراد جا رہے تھے جب چوہدری امام بخش نے اُس جوہڑ کے پار جاٹوں کے کچے وارے کے صحن میں سے اٹھتی ایک پینگ کو دور سے دیکھا..

اور اُس پینگ کو جھولتی ماہلو کو دیکھا..

پینگ ایک قوس کی شکل میں بلا رالیتی تو اپنے پیچھے ایک روشن کہکشاں چھوڑ جاتی.. امام بخش کا دل رُک گیا' اُس کے رکنے سے اُس کی گھوڑی رُک گئی اور اُس کے ہمراہ دونوں میراثی اور تینوں جولاہے رُک گئے..

[illegible] چوہدری امام بخش کا رشتہ لے کر آئی تو بہشت بی بی اور محمد جہان نے صاف انکار کر دیا..

ماہلو پچھلی کوٹھڑی میں لیٹی اس صاف انکار کو سنتی تھی..

ہم محنت مشقت سے مختصر زمینوں پر گزارہ کرنے والے جاٹ ہیں اور کوٹ مراد والے ہم سے زیادہ حیثیت والے ہیں.. ہمارا اُن کا کوئی میل نہیں اور پھر چوہدری پہلے سے شادی شدہ ہے تین بچوں والا ہے تو برادری کیا کہے گی کہ محمد جہان نے زمینوں کے لالچ میں اپنی بیٹی ایک موکن پر بیاہ دی..

یہ تو نہیں کہ چوہدری امام بخش ایک ڈھلتی عمر کا' خضاب سے بال کالے سیاہ کیے ہوئے ایک پُر ہوس شخص تھا' وہ تو ابھی تیس برس کا بھی نہیں ہوا تھا لیکن شریکوں نے تو یہی کہنا تھا کہ نمبردار نے اپنی بیٹی کا حسن فروخت کر دیا..

تو معاملہ یہیں ختم ہو گیا.. میراثن نامراد لڈوؤں سے بھرا ہوا تھال سر پر رکھ کر چلی گئی پر امام بخش کے اندر ماہلو کے عشق نے ایسے ڈیرے جمائے کہ وہ سودائی سا ہو گیا.. کنوئیں کے گرد مویشیوں کے جو کچے کوٹھے تھے وہیں سو رہتا' گھر نہ جاتا' دنوں میں لاغر ہو گیا.. جس روز میراثن چوہدری کا رشتہ لے کر آئی تھی اُس کے پورے بیس دن بعد جب ماہلو ایک سویر بیدار ہوئی تو صحن میں دودھ رڑکتی اپنی نمبردارنی ماں کے گھٹنے سے لگ کر بولی ''بے بے.. میری بات غور سے سُن.. میں نے پچھلی رات خواب میں دیکھا ہے کہ عرشوں پر میرا نکاح چوہدری امام بخش سے ہو گیا ہے.. تو ہاں کر دے..''

بہشت بی بی کی چاٹی میں مدھانی کے مسلسل گھومنے سے جو دودھ مکھن اور کچی لسی میں بدلنے کو تھا اور تلاطم میں تھا وہ یکدم ساکت ہو گیا ''ماہلو کچھ ہوش کر.. یہ تو کیا کہہ رہی ہے..''

UrduPhoto.com

"بے بے تو جانتی ہے کہ میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہوں.. میں دین ایمان سے سچ کہہ رہی ہوں.. عرشوں پر امام بخش کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہے اور اب میں اُس کی منکوحہ ہوں.."

بخت بی بی سر سے پاؤں تک لرز گئی.. اس براہ راست خدائی حکم اور مداخلت سے لرز گئی..

اُس روز محمد جہان نمبردار کا خاندانی میراثی کوٹ مراد جا رہا تھا.. چوہدری امام بخش کو اطلاع کرنے کہ ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔

یہ آج تک نہیں کھلا کہ کیا واقعی ماہلو نے ایک خواب میں عرشوں پر اپنا نکاح چوہدری امام بخش سے ہوتا دیکھا تھا یا اُس نے یہ سب کچھ گھڑا تھا کہ اُس نادیدہ محبوب کا سودائی پن اُس میں بھی سرائت کر گیا تھا اور وہ بھی اُس کے عشق میں گرفتار ہو گئی تھی.. امام بخش کی شکل اور بھوری مونچھوں کی بھی بڑی دھوم تھی' وہ جب گھوڑی پر سوار کسی گاؤں کی گلیوں میں سے گزرتا تو کنواریاں کواڑوں سے لگی اُسے چھپ چھپ کر دیکھتیں اور [illegible] کر سو نہ سکتیں.. اور اگر ایسا سوہنا تمہیں جھولا جھلاتے دیکھ کر مرمٹے' خاک ہو جائے تمہارا ہاتھ مانگ لے اور صرف حیثیت کم ہونے کے باعث اور بیوی بچوں کی وجہ سے اُسے کورا انکار ہو جائے تو یہ بھی عین ممکن تھا کہ اُسے حاصل کرنے کی خاطر ایک خواب بُن لیا جائے.. خواہش کی مٹی کو خیال کے چاک پر چڑھا کر آرزو کا کوزہ تخلیق کر لیا جائے..

پر [illegible]

ماہلو بے شک اُس شب اپنی نواری چارپائی پر بنا کسی خیال اور چاہت کے بے خبر سوئی تھی پر حقیقت ہے کہ اُس کا وجود عرشوں تک جا پہنچا تھا جہاں امام بخش سہرا باندھے اُس کا منتظر تھا..

اُدھر بخت جہان افیون کی تیسری گولی نگلنے کے بعد چارپائی کا پایہ تھام کر اپنے آپ کو قائم رکھنے کی کوشش میں بے بہ مسکراتا جاتا تھا' اُسے خبر کی کہ محمد جہان نے کوٹ مراد کی جانب [illegible] کر دیا ہے کہ اُسے امام بخش کا رشتہ قبول ہے تو اُس کا نشہ سارے کا سارا غرق ہو گیا' حسد سے راکھ ہو گیا کہ وہ چوہدری جس کی گھوڑی کے نعلوں تلے سے اُس کی جیبیں ختم نہ ہوتی تھیں وہ محمد جہان کا داماد ہو جائے.. اُس نے سر جھٹک کر اپنے گردن تک آئے ہوئے بالوں کو سنوارا اور سوٹھیں مروڑتا ڈانگ پکڑ کر حویلی سے باہر آ گیا..

"اوئے محمد جہان.." وہ اُس کی چوکھٹ کے قریب جا کر بند دروازے پر اپنی ڈانگ کھڑکا کر بولا.. اور ہاں یہ وہی چوکھٹ تھی جس کے باہر اُس نے آج سے برسوں بعد.. آنے والے بدل چکے زمانوں میں ایک مرنے والے مُرغ کے حصول کے لیے ہاتھ پھیلائے تھے" کچھ تو شرم کر.. تجھے خاندان کی عزت کا کچھ پاس نہیں.. میری سگی بھتیجی کا' ماہلو کا سودا کر لیا ہے بیچنی ہی تھی تو مجھے کہتا میں کسی راجے مہاراجے سے سودا کروا کے مہنگے داموں فروخت کر دیتا۔"

کچھ عرصے سے اُس کے جُثے کو ایک عجیب دُکھتی سلگتی حدت نے اسیر کر کے چارپائی پر ڈال دیا تھا.. دوا دارو بہت سوا پر اُس کا یہ مدھم بخار اُس کے بدن میں رچ گیا تھا' دن بہ دن سکت کم ہوتی جاتی تھی.. نقاہت کی اُس بے بسی میں اُس کے کانوں پر اُس کے چھوٹے بھائی کی آواز دستک دیتی تھی.. بیچنی ہی تھی تو مجھے کہتا میں کسی راجے مہاراجے سے سودا

کروا دیتا..

''بیشماں..''

وہ تو پاس ہی پائے کے ساتھ لگی تھی ''ہاں محمد جہان..''

''تو سن رہی ہے کہ جہاناں کیا واہی تباہی بک رہا ہے گلی میں کھڑا ہو کر.. سارا محلہ سن رہا ہے..''

''ہاں..''

''تو اُس بے دید کا منہ بند کر.. مجھ سے تو اُٹھا نہیں جا رہا..''

''میں جاتا ہوں چاچا..'' اُس کا اکلوتا بیٹا عزیز جہان اگرچہ دل ہی دل میں اس چاچے کی دہشت سے لرزتا تھا پر اُس میں جو آبائی عزت نفس تھی سر اُٹھاتی تھی..

''نہیں پتر..'' محمد جہان نفاہت سے مسکرایا ''ابھی تیرا وقت نہیں.. بیشماں اٹھ'' نور بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئی.. اگرچہ وہ ابھی ایک بالڑی سی تھی پر اُس میں انکھ اتنی تھی کہ وہ [illegible] سے بھر سکتی تھی جس نے اُن کی حیاتی کو عذاب بنا رکھا تھا۔ ''چاچا میں جاتی ہوں.. آپاں کے بارے میں باتیں کرنے والے کا منہ تو تھا بھن دوں گی..''

اور ماہلو ایک کونے میں بیٹھی خواہش کرتی تھی کہ کاش وہ عرشوں تک نہ پہنچی ہوتی..

''نہیں پتر.. بیشمے تو اُٹھ..''

[illegible] بی بی نے اُترتی شام کی سیاہی کو [illegible] کر اُسے روشن کیا اور طاق میں [illegible] جلا دیں..

[illegible] شام میں بخت جہان بجھتا تھا..

اپنی ذاتی [illegible] سہارے اپنے آپ کو قائم رکھنے کی سعی کرتا تھا پر اُن کی [illegible] کوئی اُسے بجھنے پر آمادہ کر لیتی تھی..

''جہانیاں''

وہ اس تخاطب سے اپنی جھوم سے فوراً باہر آ کر قائم ہو گیا.. کہ وہ اس بھرجائی سے بے حد خائف تھا.. اُس کا قیاس تھا کہ محمد جہان غضب ناک ہو کر باہر آئے گا تو وہ اُسے خوب لعن طعن کرے گا.. پر وہاں بھرجائی اُس چوکھٹ کو تھامے اُس پر گرج رہی تھی ''تو کیسا بے حیا ہے جہانیاں' اپنی سگی بھتیجی کے بارے میں واہی تباہی بکتا ہے.. تجھے تو کچھ حساب ہی نہیں کہ تیری کتنی بیٹیاں ہیں اور کہاں ہیں.. تو جا اور اُن کے سوئے راجوں مہاراجوں سے کر لے..''

''بھرجائی..'' وہ بھڑکتی آتش سے یکدم موم ہو کر راکھ ہو گیا ''ماہلو میری بیٹی ایک ایسے گھر میں جائے جہاں ایک سوکن اور اُس کے بچے موجود ہوں مجھ سے برداشت نہیں ہوتا..''

''تجھے بیٹیوں کے علاوہ کیا اپنی بیویوں کا کچھ حساب ہے جہانیاں.. تیری اور تمہارے دادے کی متعدد بیویاں نہیں تھیں تو اگر ہم نے صرف ایک بیوی کی موجودگی میں ماہلو کا رشتہ قبول کر لیا ہے تو کونسا ظلم کمایا ہے.. پوری برادری نے تیری یاوہ گوئی سن لی ہے تو اب خوش ہے؟ دفع ہو جا یہاں سے.. تجھے پتہ ہے کہ میں فیروز والے کے بُخر جاٹوں کی بیٹی

UrduPhoto.com

ہیں اور ہم اس دنیا پور والوں کی مانند بے غیرت نہیں ہوتے.. چلا جا بے غیرت.."

بخت جہان کا قد و قامت شرمندگی اور خجالت سے مختصر ہو گیا اور وہ کچھ کہے بغیر سر جھکا کر واپس چلا گیا.. واپس جا کر اس نے دودھ کے ساتھ افیون کی اکٹھی مزید دو گولیاں حلق میں اُتاریں اور پھر ایک گہری اونگھ میں چلا گیا..

ماہلو اور چوہدری امام بخش کے بیاہ کی بہت دھوم پڑی.. بڑے چرچے ہوئے.. بہت تذکرے ہوئے..

ویسے اُس بیاہ میں وہ کچھ نہ ہوا جس سے دھومیں پڑ جاتی ہیں. نہ تو سینکڑوں کی تعداد میں دیگیں اُتریں' پلاؤ' زردے اور گوشت کی.. نہ ہی کمی کمینوں کو کمخواب کے جوڑے دیئے گئے.. نہ ہی تُوتریاں یا شہنائیاں بجائی گئیں.. رواج تو یہی تھا کہ آمد بارات پر گاؤں کے کوٹھوں پر کھڑے میراثی اپنے ناتواں پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کرتے تُوتریاں بجاتے تھے.. بارات نے بھی تین چار روز ٹھہر کر اپنی خدمت خاطر نہ کروائی.. نہ ہی کوئی ڈھول ڈھمکا ہوا اور نہ ہی جہیز کو چارپائیوں پر پھیلا کر اُس کی نمائش ہوئی' [illegible] امام بخش نزدیکی عزیزوں اور برادری کے چند لوگوں کے ہمراہ خاموشی سے.. دو تین درجن گھوڑیوں پر سوار.. آیا اور ماہلو کو بیاہ کر لے گیا. تو ڈھوم اگر پڑی.. اور چرچے جو ہوئے اور تذکرے جو چھڑے تو وہ اُن دونوں کے بے حساب حُسن کے تھے. اُن جیسے جوڑے کا ذکر تو کسی داستان سرائے یوسف زلیخا یا سیف الملوک میں بھی درج نہ تھا کہ اُن کے حُسن کا کوئی حساب نہ تھا.

[illegible] کے پیچھے پیچھے چلتا کہ اُس نے اپنی گھوڑی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا. کوٹ مراد جاتا تھا تو اُس برس گندم کے خوشوں میں دانے ڈگنے ہو گئے..

یہ اُن کے ملاپ کا کرشمہ تھا کہ بھینسوں کے تھن دودھ سے اتنے بوجھل ہو گئے کہ وہ چل نہ سکتی تھیں.. دو چار قدم اٹھاتیں اور دودھ کے بوجھ سے ڈھیر ہو جاتیں.

جوہڑوں کی سطح کو ڈھکتی بوٹی کے کاسنی پھول جو کمیتاں کہلاتے ہیں اتنے کھلے کہ پانی دکھائی ہی نہ دیتے تھے.. جیسے ایک کاسنی چادر بچھی ہوئی نظر آتی تھی.

اُن کے بیاہ کی دھوم ایسے پڑی..

اُس شب جب ماہلو نے بے حجاب ہو کر اُس کا چہرہ دیکھا تو وہ فوراً اُسے پہچان گئی. عرشوں پر یہی چہرہ تھا.. ایک فرق کے ساتھ کہ تب وہ سہرا باندھے ہوئے تھا..

اُسی شب جب امام بخش نے اُس کے سامنے یوں سر جھکایا جیسے ایک دیوی کے سامنے جھکاتے ہیں اور کہا "ماہلو جیتے چاہے"

اُس نے بس دو چار فرمائشیں کیں.. جھجک کر.. لجاتے ہوئے' منہ میں پلو گھسیڑتے ہوئے نہیں اُس کی آنکھوں میں بے حجاب دیکھتے ہوئے کہ وہ جو اُسے عرشوں پر ودیعت ہو چکا تھا اُس سے شرمانا لجانا کیا..

مجھے ہر چڑھتے مہینے کی پہلی جمعرات کو اپنے چاچے اور بے بے سے ملنے کے لیے دنیا پور جانے دیا کرنا..

UrduPhoto.com

میری اُس گھوڑی کے پاؤں میں جو مجھے دنیا پور سے کوٹ مراد لے کر آئی تھی جھانجھریں ڈلوا دینا..

اور تو... یہ کاشتکاری' واہی بیجی ترک کر.. کہیں آیا جایا نہ کر.. بس میرے سامنے بیٹھا رہا کر..

ان فرمائشوں کے جواب میں امام بخش نے صرف ایک فرمائش کی... تو ایک بار جاٹوں کے دارے کے صحن میں شیشم کی شاخوں سے بندھی ہوئی پینگ پر صرف ایک بار میرے لیے وہ پینگ جھوٹ.. اُس کے ہلارے لے..

پر ماہلو نے صاف انکار کر دیا' وہ کھڑ کھڑ ہنستی تھی.. امام بخشا.. پینگ کا وہ ہلارا زندگی میں بس ایک بار ہوتا ہے.. جیسے عشق ایک بار ہوتا ہے.. اگر اُس ایک ہلارے سے کوئی تجھ سا نصیب ہو جائے تو پھر دو بار وہ ہلارے لینے سے فائدہ..

یہ جو عشق اور چاہت کے جھولے تھے جن پر ماہلو اور امام بخش جھولتے تھے.. اور حافظ برخوردار کا ہاتھی عشق سندور یا اُن دونوں کو روندتا تھا اور مرزے کی صاحباں کی مانند ماہلو ایک جام شراب کا تھی جس کے اندر جوش تھا اور وہ چشم پیالے یار کے پی کے مدہوش ہوتی تھی تو یہ سب کچھ امام بخش کی پہلی بیوی حیات بی بی بھی تو دیکھتی تھی' دیکھتی تھی تو دعائیں کرتی تھی کہ شالا یہ دونوں مر جائیں [illegible] اُس کی حیاتی کے سُوکھتے کھلیان میں ایک انگارے کی مانند آ گری تھی اور اُسے جلا جلا کر راکھ کر رہی تھی..

اُسے یہ خدشہ بھی ہونے لگا کہ ماہلو کی سیپ میں امام بخش کا ابرِ نیساں جو برسا ہے اُس کے نتیجے میں کوئی بہت کام کا موتی وجود میں آنے کو ہے.. بے شک اُس کے تین بچے تھے پر جیسے ماہلو کے سامنے وہ کچھ نہ تھی [illegible] طور اُس کے تین بچے ماہلو کے [illegible]

UrduPhoto.com

محمد جہان نمبردار کے خاندان میں قدیم زمانوں سے ایک ایسی روایت چلی آ رہی تھی جو ایک لوک داستان میں ڈھل چکی تھی.. [illegible] کی ہر نسل میں خاندان کے کسی نہ کسی فرد کے ہاں ایک سوہنی جنم لیتی تھی اور اُس نسل میں ایک کیدو بھی پیدا ہو جاتا تھا..

اور اس سوہنی کے ماتھے پر [illegible]

اور جو کیدو ہوتا تھا اُس کی عمر طویل ہوتی تھی اور وہ موجیں مانتا تھا..

یہی سوہنی جو ہمیشہ ماہلو کہلاتی تھی محمد جہان کے گھر پیدا ہوئی.. جوں جوں وہ جوان ہوتی گئی اُس کے حُسن کی روشنائی سے دنیا پور کے کچے بام و در روشن ہونے لگے.. وہ چاندنی راتوں میں اپنی سکھیوں کے ہمراہ جب لُکن میٹی کھیلتی تو ہمیشہ پکڑی جاتی کہ وہ جہاں کہیں بھی جا کر چھپتی' کسی اندھیاری کوٹھڑی میں' روئی کے ڈھیر کے اندر یا کسی شجر کی گھنی شاخوں میں' اُس کے حُسن کے چکا چوند چراغ اُسے ظاہر کر دیتے.

اگرچہ اُس کا نام صغرا بی بی رکھا گیا تھا پر ہولے ہولے سب لوگ بھول گئی کہ اُس کا اصل نام کیا تھا.. وہ اس نسل کی ماہلو تھی جو کبھی بھاگ والی نہیں ہوتی پر وہ جہان سے بھی گزرتی تھی اپنے پیچھے نور کی ایک کہکشاں چھوڑ جاتی تھی.. یہی لوگ یہ بھی کب کی جان چکی تھی کہ اس نسل کا کیدو سوائے بخت جہان کے اور کوئی نہ ہو سکتا تھا.

تقریباً دو سو برس پیشتر مولوی حاکم دنیا پوری نام کا ایک پنجابی شاعر ہو گزرا تھا جس نے اُن زمانوں کی ماہلو کے حُسن کی توصیف میں کئی سو صفحات پر محیط ایک قصیدہ لکھا تھا جو زبان زدِ عام ہوا.. مولوی حاکم کا باہر کی دنیا میں کچھ زیادہ چرچا

یہ صرف اس لیے کہ وہ دنیاپور ایسے نسبتاً گمنام قصبے کا باسی تھا اور ایک ایسی زبان میں کلام کرتا تھا جس کے گرد اُن اجنبی زبانوں کے پہرے تھے جنہیں شاہوں کی سرپرستی حاصل تھی.. یہ عین ممکن تھا کہ اُس کی رفعت خیال اور قادرالکلامی اگر اس پہرے سے نکل جاتی تو کل عالم میں اُس کی دُھوم مچ جاتی پر ایسا نہ ہوا اور وہ گمنامی میں مرگیا.. وہ مسجد والے حافظ جی کے آبائی مکان میں سے تھا اور اُن کے حُجرے میں اُس کے چھ دیوانوں میں سے ایک کے چند بوسیدہ اوراق اب بھی ایک طاق میں پڑے تھے.. شائد اُن زمانوں کی جو ماہلو تھی یہ مولوی حاکم اُس کے حُسن کا اسیر ہو کر ہی شاعر ہوا.. وہ اُس ماہلو کے بارے میں کچھ یوں بیان کرتا ہے..

تیرے رنگ رُوپ کے انگارے..
حجرے میں چلّہ کاٹتے درویش کو بھی جلا کر راکھ کر دیتے ہیں..
جو ایمان والے ہوتے ہیں وہ تجھے دیکھ کر بے ایمان ہو جاتے ہیں..
اور جو بے ایمان ہوتے ہیں وہ ایمان لے آتے ہیں..
تیرے بدن میں کوہ طور کا نور ہے..
اور تیرے بدن میں سے عاشقوں کے لیے صحیفے نازل ہوتے ہیں..
ماہلو [illegible] تیری جدائی میں [illegible]
تیرے سانس سے سفید حسن سنہری ہو جاتا ہے..
تو کبھی [illegible] نہ نکلا کر..
کچی دیواریں تجھے چھونے کی آرزو میں ڈھیر ہو جاتی ہیں..
گندم کے ہرے کھیتوں میں [illegible] چلا کر
تیرے بدن کی حدت سے گندم کے کچے دانے پک جائیں گے..
اور یہ جان لے کہ نصیب صرف شکل والوں کے نہیں ہوتے..
بدشکل دریا پار کر جاتے ہیں..
اور شکل والے بیچ منجدھار ڈوب جاتے ہیں..

یہ مولوی حاکم دنیاپوری کے زمانوں کی دو سو برس پیشتر کی ماہلو تھی اور عہد حاضر کی 1929ء کی ماہلو محمد جہان تیسرے کی بڑی بیٹی گھوڑی پر سوار اپنے میکے جاتی تھی..
یہ ماگھ کے مہینے کی پہلی جمعرات تھی..
اس گھوڑی کا نام بھی "ماہلو" تھا' اُس کے پاؤں میں چاندی کی جھانجھریں چھنکتی تھیں' کاٹھی پر سونے اور چاندی کی پتریاں جڑی ہوئی تھیں.. اُس کے نتھنوں میں خالص سونے کی ایک بھاری نتھ دمکتی تھی.. گھوڑی کی باگ جسے ایک نائن

UrduPhoto.com

نے تھام رکھا تھا وہ بھی سونے اور چاندی کی تاروں سے گندھی ہوئی تھی۔

پہلے تو گھوڑی کو اُس کا وجود ایک پَر سے بھی ہلکا محسوس ہوا کرتا تھا اور وہ اُسے لے کر اُڑی اُڑی جاتی تھی پر آج وہ اُس کے بوجھ تلے دبی جاتی تھی' اُس کے گھٹنے بھرتے تھے اور ٹانگیں یوں لرزتی تھیں کہ اُس کے پاؤں میں بندھی چاروں جھانجھریں بھی لرزتی کھنکتی تھیں۔

آج پچھلی تمام جمعراتوں کے نسبت ماہلو کا بوجھ اس لیے زیادہ تھا کہ وہ گہنوں سے لدی ہوئی تھی۔ گلے میں اوپر نیچے تین چار کنٹھے تھے' دسوں اُنگلیاں انگوٹھیوں سے بھری ہوئی' کلائیوں میں درجن بھر دبیز خالص سونے کے گوکھرو اور بازوؤں پر تنگ ہوتی کندھوں تک پہنچتی ہوئی ان گنت چوڑیاں۔ کانوں میں نہ صرف شانوں تک آتے جھمکے تھے بلکہ جڑاؤ مُرکیاں بھی سجی تھیں۔ ناک میں لونگ اور ایک چوڑی نتھ جو اُس کے رخساروں کو چھوتی تھی۔ پورے ماتھے کو ڈھکتا ہوا جھومر اور نتھنوں سے شروع ہو کر گھٹنوں تک سونے کی جھانجھروں کا انبار۔ گھنی سیاہ چوٹی کے ہر بال کے ساتھ سونے کا ایک تار گندھا ہوا۔ تبھی تو وہ اتنی بھاری ہو رہی تھی۔

مثال مشہور تھی کہ امام بخش اُسے ہر روز ایک نیا زیور لا کر دیتا تھا اور زیوروں کے اس ڈھیر کو رکھنے کے لیے اُس نے لوہے کا ایک چھوٹا سا بھڑولا بنوایا تھا۔

اُس بھڑولے میں ذخیرہ شدہ جتنے بھی گہنے تھے وہ سب کے سب آج ماہلو نے اپنے بدن پر سجا رکھے تھے اس لیے اُس کی [illegible] تھی [illegible] نہ تھی کہ ہر وقت گہنوں سے لدی پھندی ان کی نمائش کرتی پھرے۔ عام حالات میں وہ صرف ایک دو نومبوں کا سنگھار کرتی۔ آج اگر اُس نے اپنے آپ کو یوں لاد لیا تھا تو جانے کیا رمز تھی' کیا بھید تھا۔ پر جس کسی نے بھی اُسے گلی میں سے گزرتے دیکھا۔ ہابو جولاہی نے۔ پھاتو [illegible] اور آشاں ماچھن نے۔ یہاں تک کہ حافظ جی نے بھی۔ وہ سب دنگ ہو کر رہ گئے' اُس پر ایسا رُوپ چڑھا ہوا تھا کہ اُس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی [illegible] تھی سے دمکتی ہوئی نظر نہ آئی تھی۔ دوسرے پاؤں تک گہنوں میں ڈھکی نہ اوچھی لگتی تھی اور نہ چھوٹے دل والی بلکہ ایسی لگتی تھی کہ ہر ایک کے دل کو جا لگتی تھی اور اس میں دمکنے لگتی تھی۔

وہ ساری کی ساری گل رنگ دمکتی سنہری کرنوں میں رنگی سنہری ہوتی تھی پر سنہرے پن کے اُس دمکتے کھیت میں یہ اُس کا چہرہ تھا جو زرد سرسوں ہو رہا تھا۔ اُس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا اور اُس پر سرسوں کے پیلے سائے بڑھتے جاتے تھے۔

مہنداں جولاہی کی تقریباً تاریک ہو چکی آنکھوں میں اُس شام ایک چھنک سی چمکی۔ اُس نے چرخے کی گھماوٹ کو ہتھیلی سے یکدم روک دیا۔ نامکمل پونی کو تکلے سے اُتار کر چنگیر میں رکھا اور اپنی پیڑھی کو تھامتی ہوئی بمشکل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ بے شک ایک مدت سے اندھی ہو چکی تھی۔ اُسے تیز دھوپ میں بھی کوئی سائے سے تیرتے محسوس ہوتے پر اس کے سوا اُس کی آنکھیں تاریک تھیں اور اس کے باوجود اُس کے طور طریقے روزمرہ کے معمولات ویسے ہی چلتے تھے جیسے کہ وہ تب تھے جب اُسے دکھائی دیتا تھا۔ سر شام پہلا دیا اُس کے صحن میں روشن ہوتا۔ وہ دن بھر میں اتنا سوت کاتتی کہ کوئی

UrduPhoto.com